مولانا مفتی محمد طارق محمود [مدرس ومعین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور]

دعوت الی اللہ کے فضائل وآداب

دعوت الی اللہ کا لفظ اپنے اصلی مفہوم میں بہت وسعت رکھتا ہے، اور یہ کام کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص بھی نہیں ہے۔ زیرنظر مضمون میں اس کے عمومی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے فضائل وآداب ذکر کیے گئے ہیں۔ مضمون کے ذیلی موضوعات کی فہرست شروع میں بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ پڑھنے والے احباب کو تفصیل سے پہلے خلاصہ معلوم ہو جائے۔

۱- داعی الی اللہ ہونا نبی اکرم ﷺ کی شان۔

۲- اپنے آپ کو پورا مسلمان بنالینا بھی دین کی بہت بڑی اور بہت ضروری دعوت ہے۔

۳- دعوت الی اللہ کی دو قسمیں: دعوت خاصہ اور دعوت عامہ۔

۴- داعی کی دو قسمیں: واعظ، مناظر۔

۵- تبلیغ کے دو درجے: واجب، مستحب۔

۶- دعوت الی اللہ کے تین بنیادی ارکان: حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال بالاحسن۔

۷- داعی کو دو باتوں کا اہتمام کرنا چاہیے: نیک اعمال، برائی کے جواب میں بھلائی۔

۸- داعی کو شفقت اور تحمل کی ضرورت۔

۹- خطاب عام: وعظ کہنے کی اہمیت۔

۱۰- وعظ میں کیا مضمون بیان کیا جائے، کس انداز سے بات کہی جائے اور کب بیان کیا جائے؟

۱۱- واعظ کے تقوی اور ہدایت کی تڑپ سے وعظ میں اثر آتا ہے۔

۱۲- داعی کو غیر اللہ کا خوف عقلی نہ ہونا چاہیے۔

۱۳- وعظ میں فقہی مسائل بیان کرنا مناسب نہیں۔

۱۴- وعظ کے بعد سوال جواب کی نشست مناسب نہیں۔

۱۵- دین پھیلانے کے لیے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں۔

۱۶- داعی کے ذمے صرف پہچانا ہے، نہ کہ منوانا۔

۱۷- دوسروں کی ہدایت اور اصلاح کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں۔

۱۸-علماء کے کسی جائز کام سے اگر عوام کے ناجائز کام میں پڑنے کا اندیشہ ہو؟

۱۹-انبیاء پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے، برخلاف علماء کے۔

۲۰-مخلوق سے تعلق بذات خود مقصود نہیں۔

۲۱-نفع تام افضل ہے نفع عام سے۔

۲۲-نفع لازمی اور متعدی میں سے افضل کونسا ہے؟

۲۳-لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو اور تبلیغ کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو تو؟

۲۴-اس زمانے میں غیر مسلموں کو تبلیغ کا حکم؟

۲۵-عوام اور علماء کی ذمہ داری آدھی آدھی ہے۔

۲۶-جس فتنے کو دفع کرنا قدرت سے باہر ہو اس کی مدافعت نہیں کرنی چاہیے۔

۲۷-جسے ہدایت کی طلب نہ ہو اسے ہدایت نہیں ملتی۔

۲۸-ضروری نہیں کہ جس سے دین کی خدمت لی جائے وہ عنداللہ مقبول ہو۔

۲۹-ہر شخص اپنی قابلیت اور صلاحیت کے لحاظ سے دعوت سے نفع اٹھاتا ہے۔

(۱)-داعی الی اللہ ہونا نبی اکرم ﷺ کی شان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یاایھاالنبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا.وداعیا الی اللہ باذنه وسراجا منیرا.** (احزاب:۴۵،۴۶) اے نبی ﷺ (آپ چند ایک اعتراض کرنے والوں کے طعن سے غمگین نہ ہوں، اگر یہ بے وقوف آپ کو نہ جانیں تو کیا ہوا؟ ہم نے تو ان بڑی بڑی نعمتوں اور رحمتوں کا جو کہ خطاب مومنین میں مذکور ہوئی ہیں آپ ہی کو واسطہ بنایا ہے۔اور آپ کے مخالفین کی سزا کے لیے خود آپ کا بیان کافی قرار دیا گیا ہے کہ ان کے مقابلے میں آپ سے ثبوت نہ لیا جائے گا۔پس اس سے ظاہر ہے کہ آپ ہمارے نزدیک کس درجہ مقبول ومحبوب ہیں۔چنانچہ) ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ (قیامت کے دن امت کے اعتبار سے خود شاہی) گواہ ہوں گے (کہ آپ کے بیان کے موافق ان کا فیصلہ ہوگا۔

کما قال: **انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم** (مزمل:۱۵) اور ظاہر ہے کہ خود صاحب معاملہ کو دوسرے فریق اہل معاملہ کے مقابلہ میں گواہ قرار دینا اعلیٰ درجہ کا اکرام اور شان کی بلندی ہے۔یہ شان کی بلندی قیامت کے دن ظاہر ہوگی) اور (دنیا میں جو آپ کی صفات کمال ظاہر ہیں وہ یہ ہیں کہ) آپ (مومنین کے) خوشخبری دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں اور (عام طور پر

سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں۔(اور یہ خوشخبری دینا اور ڈرانا اور دعوت دینا تو تبلیغ کے طور پر ہے) اور (یوں خود اپنی ذات وصفات وکمالات وعبادات وعادات وغیرہا مجموعی حالات کے اعتبار سے) آپ (سراپا نمونہ ہدایت ہونے میں) ایک روشن چراغ (کی طرح) ہیں۔(کہ آپ کی ہر حالت طالبانِ انوار کے لیے سرمایہ ہدایت ہے۔پس قیامت میں ان مومنین پر جو کچھ رحمت ہوگی وہ آپ ہی کی ان صفات بشیر ونذیر وداعی وسراج منیر کے واسطہ سے ہے۔پس آپ اس غم وپریشانی کو الگ کیجیے)۔

(بیان القرآن:۱۶۶۴/۳بتسہیل،البشری،کراچی،ط:۱۴۴۰ھ/۲۰۱۹ء)

(۲)-اپنے آپ کو پورا مسلمان بنالینا بھی دین کی بہت بڑی اور بہت ضروری دعوت ہے:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (متوفی:۱۳۷۷ھ) قدس سرہ کا ارشاد ہے: اسلام صرف نام لینے کی چیز نہیں،عمل کرنے کی چیز ہے۔اسلام پر عمل کیجیے۔اسلام بھی محفوظ رہے گا اور آپ بھی زندہ ہو جائیں گے۔(خطبات صدارت:۴۹۹،ادارہ نشر واشاعت،مدرسہ نصرۃ العلوم،گوجرانوالہ،ط:۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء)

اسلام کی حفاظت ایک اندرونی ہے،ایک بیرونی ہے۔اور زیادہ اہم اول ہے۔اگر ہم اس کا اہتمام کرلیں تو اغیار خود پست ہو جائیں۔خدا کی قسم اگر ہمارا اسلام کامل ہوتا (اعمال ٹھیک ہوتے)،تو کسی کو کبھی ہمت بھی نہ ہوتی کسی مسلمان کی طرف نظر اٹھانے کی۔کبھی اس کا وسوسہ بھی ان کے دل میں نہ آتا۔

(خطبات حکیم الامت:۳۱/۱۲ملخصا،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۳۰ھ)

یہی بڑی زبردست تبلیغ ہے کہ انسان خود عامل ہو۔(دین پر پوری طرح عمل کرنے والا ہو)۔اور دوسروں کو کہنا اور خود عمل نہ کرنا یہی کمزوری کی بات ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۳۰۹/۶،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۹ھ)

آج کل یہ مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ اکثر لوگ دوسروں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں،اپنی بالکل فکر نہیں۔ہر شخص اپنی فکر میں لگے تو بہت جلد سب کی اصلاح ہو جائے اور بہت سی فضولیات سے نجات ہو جائے۔(ملفوظات حکیم الامت:۳۳۲/۶،ملخصاً بتسہیل)

اسلام کو ظاہری قوت کی ضرورت نہیں۔اسلام روپیہ پیسہ کا محتاج نہیں۔اسلام کی اشاعت وترقی کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ایک تو ہر شخص اپنے اعمال کو ٹھیک کرلے۔پورا متبع شریعت بن جائے۔اور اعمال میں اتفاق بھی آگیا۔اور دوسرے یہ کہ غیر قوموں کے کانوں میں اس کی خوبیاں ڈالتا رہے۔لڑائی جھگڑا نہ کرے۔نرمی سے ان کو سمجھاتا رہے۔(خطبات حکیم الامت:۵۱/۱۲)

ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے اندر دو چیزیں کسی بزرگ کی خدمت میں رہ کر پیدا کرلے۔اس کے بعد جو

بھی خدمت اسلام کی کرے گا وہ مکمل ہوگی۔ اللہ تعالی کی محبت اور ان کی خشیت۔ بس دونوں کے مجموعے سے عمل مکمل ہو جائے گا۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۴/۱۵ ملخصا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۳۰ھ)

صحبت میں رہ کر دین آتا ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ کتابوں سے دین نہیں آتا۔ ضابطہ کا دین تو کتاب سے آسکتا ہے، مگر حقیقی دین بلا کسی کے جوتے سیدھے کیے، بلکہ جوتے کھائے نہیں آسکتا۔ دین کسی کی خوشامد نہیں کرتا، دین انہی نخروں سے آتا ہے۔ اب جس کا جی چاہے لے اور جس کا جی چاہے نہ لے۔ اکبر ایک اچھے شاعر تھے۔ ان کا کلام حکیمانہ ہوتا ہے۔ ان کا مصرع ہے بع: دیں ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔ یہ بات بالکل سچ ہے۔ (خطبات حکیم الامت: ۱۱/۳۳۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۸ھ)

پس داعی کی اپنی شخصیت کی تعمیر ہوگی تو وہ دوسروں تک صحیح طرح دین کا پیغام پہنچا سکے گا۔ لہٰذا دوسروں کی خیر خواہی کے ساتھ اپنی اصلاح کی فکر رکھنا بھی لازم ہے۔

(۳)- دعوت الی اللہ کی دو قسمیں ہیں: دعوت خاصہ، دعوت عامہ:

ولتكن منكم امة يدعون الى الخير (آل عمران: ۱۰۴) اور چاہیے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف۔ (موضح فرقان: ۸۱) (اس آیت) سے معلوم ہوا کہ دعوت الی الخیر اور دعوت الی اللہ ایک خاص جماعت کا کام ہے، ساری امت کا نہیں۔ **قل هذه سبيلى ادعو الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى** (یوسف: ۱۰۸) کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے۔ (موضح فرقان: ۳۲۸)

(اس آیت) میں **من اتبعنى** کے عموم سے معلوم ہوا کہ (دعوت الی اللہ) سب امتیوں کا کام ہے۔ اس عموم اور خصوص سے معلوم ہوا کہ اس کے دو درجے ہیں۔ ایک کا پہلی آیت میں ذکر ہے اور ایک کا دوسری آیت میں۔ ایک دعوت خاصہ ہے اور ایک دعوت عامہ۔ دعوت خاصہ تو ہر مسلمان کے ذمے ہے۔ یعنی جس میں خطاب خاص ہو اپنے اہل و عیال کو، دوست احباب کو اور جہاں جہاں قدرت ہو اور خود اپنے نفس کو بھی۔ چنانچہ (حدیث) **كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته.** (صحیح بخاری: ۸۹۳/فواد) (تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے، اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا)

اور آیت **يا ايها الذين آمنوا قوا انفسكم واهليكم نارا** (تحریم: ۶) (اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے۔ موضح فرقان: ۷۴۳) میں دعوت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔ سو اس کا ہر شخص اپنے گھر میں اور تعلقات کے محل میں اہتمام کرے۔ دعوت عامہ جس میں خطاب عام ہو، (یعنی وعظ اور بیان ہو)، یہ کام ہے صرف مقتداؤں کا۔ دعوت عامہ میں داعی کو مقتدا ہونا چاہیے۔ یعنی مخاطبین کے

دل میں اس کی وقعت ہونی چاہیے۔ ورنہ وعظ مؤثر نہ ہوگا۔ مقتدا کے لیے عالم ہونا بھی لازم ہے۔

(خطبات حکیم الامت: ۱۳ر ۴۷-۴۹ ملخصا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۷ھ)

(۴)- داعی کی دو قسمیں: واعظ، مناظر:

داعی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو جواب تحقیقی سے دعوت کر سکتا ہے۔ اور ایک وہ جو جواب الزامی سے دعوت کر سکتا ہے۔ جواب تحقیقی کے معنی یہ ہیں کہ جو پوچھا گیا اس کی حقیقت واضح کردی۔ جواب الزامی کے معنی یہ ہیں جیسا اعتراض ہم پر کسی نے کیا اس کے جواب میں ویسا اعتراض اس کے مذہب پر کر کے کہا: **فماھو جوابکم فھو جوابنا**۔ (جو تمہارا جواب وہی ہمارا جواب)۔ جواب تحقیقی کے لیے اپنے مذہب پر پورا عبور ہونے کی ضرورت ہے۔ دوسرے کے مذہب پر پوری نظر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جواب الزامی کے لیے اپنے مذہب کے ساتھ ساتھ دوسرے کے مذہب پر بھی پوری نظر ضروری ہے۔ تو اس بناء پر داعین کی دو جماعتیں ہوئیں۔ واعظین جو اپنے مذہب والوں کو تحقیقی جواب سے متنبہ کیا کریں۔ مناظرین جو جواب الزامی سے مخالفین کو ساکت کریں۔ (خطبات حکیم الامت: ۱۳ر ۵۱، ۵۲ ملخصا)

(۵)- تبلیغ کے دو درجے: واجب اور مستحب:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہیں واجب ہوتا ہے۔ جہاں فاعل بے خبر ہو یا فاعل پر پوری قدرت ہو یا قبول کی پوری توقع ہو، ورنہ مستحب ہے۔ منجملہ اس کے آداب کے یہ ہے کہ اول خلوت میں کہے اور نرمی سے کہے۔ اس کے بعد اگر مصلحت ہو علانیہ کہے اور سختی سے کہے ورنہ اعراض کرے اور دعا کرے۔ (اصلاح انقلاب امت: ۱ر ۲۶، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: بیان القرآن: ۱ر ۳۱۸، ۳۱۹، الفتاوی الہندیۃ: ۵ر ۳۵۲، ۳۵۳، رشیدیہ، کوئٹہ، ط: ۱۴۰۶ھ ر ۱۹۸۶ء، الدر المختار مع رد المحتار: ۱ر ۳۵۰، دار الفکر، بیروت، ط: ۱۴۱۲ھ ر ۱۹۹۲ء، خطبات حکیم الامت: ۱۱ر ۶۸، ۶۹)

جہاں تبلیغ ہو چکی ہو وہاں تبلیغ کرنا ایک مستحب عمل ہے، اور جہاں تبلیغ نہ ہوئی ہو وہاں فرض ہے۔ پہلے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ پیر جیوں کے متعلق وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آخر میں آ کر جب تبلیغ ہو چکی وعظ فرمانا بند کر دیا تھا۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۷ر ۹۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، وذلک اضعف الایمان**. (صحیح مسلم: ۴۹ر فؤاد) جو تم میں سے برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے (مٹا دے)، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے مٹا دے۔ اور یہ ایمان (کا) کمزور ترین (کام) ہے۔ **الامر**

بالمعروف باليد على الامراء ، وباللسان على العلماء ، وبالقلب لعوام الناس وهو اختيار الزندويسي كذا في الظهيرية . (الفتاویٰ الہندیۃ:۵/۳۵۳، ومثلہ فی البحر الرائق:۸/۲۱۵، دارالکتاب الاسلامی، دون التاریخ، وفی الھدایۃ:۴/۳۰۷، دار احیاء التراث لعربی، بیروت ط: دون التاریخ، وفی فتح الملھم:۱/۶۰۴، ۶۰۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط:۱۴۲۶ھ/۲۰۰۶ء)

ہاتھ سے امر بالمعروف حکمرانوں کے ذمے ہے، اور زبان سے علماء کے ذمے اور دل سے عوام کے لیے۔ یہ اس لیے ہے کہ قدرت عموماً اسی طرح پائی جاتی ہے۔ اس حدیث کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے: مرقاۃ المفاتیح:۶/۲۳۷۹، ۸/۳۲۰۸، ۳۲۰۹، دار الفکر، بیروت، ط:۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء)

یہاں فعل کو برا فرمایا ہے، نہ کہ فاعل کو۔ مثلاً نماز چھوڑنا منکر ہے، اور نماز پڑھنا معروف ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بے نمازی کی ذات سے نمازی کی ذات کو افضل سمجھیں۔ ہاں نمازی کے نماز پڑھنے کے فعل کو بے نمازی کے نماز نہ پڑھنے سے افضل کہیں گے۔ (ملفوظات حکیم الامت:۷/۲۳۴ ملخصاً بتسہیل)

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی (متوفی ۱۳۶۳ھ) رحمہ اللہ نے تبلیغی گشت کی ابتداء ۱۳۴۵ھ میں کی۔

(حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت:۹۱، ۹۲، ادارہ اشاعت دینیات، نئی دہلی، ط:۲۰۰۵ء)

۱۳۴۱ھ میں حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے کچھ تبلیغی وفود روانہ فرمائے تھے۔ ان میں سے بعض میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ بھی شریک تھے۔ (دعوت وتبلیغ کی شرعی حیثیت: ص ۴۰-۴۳ ملخصاً، حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط:۱۹۸۵ء)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی (متوفی ۱۴۱۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سوال: تبلیغی جماعت میں جانا فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ ۔ جواب: تبلیغی جماعت میں جانا تو فرض عین نہیں، البتہ دین سیکھنا فرض عین ہے، خواہ مدرسہ میں داخل ہو، یا خارج مدرسہ پڑھ کر ہو، خواہ اہل علم اور اہل دین کی خدمت میں جا کر ہو، خواہ تبلیغی جماعت ساتھ ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ:۴/۲۰۸، ط: فاروقیہ)

مستورات کی تبلیغی جماعت کے بارے میں ہمارے مشائخ کے فتاویٰ دو طرح کے ہیں: ایک قول یہ ہے کہ بالکل اجازت نہیں۔ جیسے مثلاً: فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۶/۲۰۸ - ۲۱۶، مکتبہ دارالعلوم دیوبند، ط: ۲۰۱۶ء اور فتاویٰ بینات:۲/۱۲۳ - ۱۲۵، مکتبہ بینات، دار العلوم الاسلامیہ، کراچی، ط:۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء میں ہے۔ اور دوسرا قول مشروط اجازت کا ہے۔ جیسے مثلاً: فتاویٰ محمودیہ:۴/۲۶۵-۲۷۰، فاروقیہ، اور فتاویٰ حقانیہ: ۲/۴۳۸، ۴۳۹، دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، سنہ ندارد) میں ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہماری اس تحریک کا اصل مقصد مسلمانوں کو جمیع ما جاء بہ النبی ﷺ سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کر دینا)۔ یہ تو ہمارا اَصل مقصد ہے۔ رہی قافلوں کی چلت پھرت اور تبلیغی گشت سو یہ اصل مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ و نماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی الف بے تے ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس: ص ۲۹، مدنی کتب خانہ، کراچی، ط: سنہ ندارد، مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ)۔

ایک دفعہ جماعت کے احباب سے فرمایا: آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہوگی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا اہتمام آپ نے نہیں فرمایا۔ (مصدر سابق: ص ۳۵)

(۶)- دعوت الی اللہ کے تین بنیادی ارکان: حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال بالاحسن:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین.** (نحل: ۱۲۵)

آپ اپنے رب کی راہ (دین) کی طرف (لوگوں کو) علم کی باتوں (کے ذریعہ سے جن سے مقصد اپنی بات ثابت کرنا ہوتا ہے) اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے (جن سے مقصود ترغیب و ترہیب اور دل نرم کرنا ہوتا ہے) بلائیے اور (اگر بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے (کہ جس میں سختی نہ ہو) بحث کیجیے۔ (بس اتنا کام آپ کا ہے۔ پھر آپ اس تحقیق میں نہ پڑیے کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا، کیوں کہ یہ کام خدا کا ہے۔ پس) آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کے رستہ سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اس آیت میں اہل اللہ کے طریق دعوت کی تفصیل ہے اور یہ کہ تبلیغ کے بعد اصرار کی ضرورت نہیں۔ (بیان القرآن: ۱۵۶/۲، ۱۱۵۷ بتسہیل)

اُصول دعوت دو چیزیں ہیں: حکمت اور موعظت۔ جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہیے، خواہ علماء و خواص کو ہو یا عوام الناس کو۔ البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے جو شکوک و اوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث و مباحثہ پر آمادہ ہیں، تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی ہے۔ مگر اس کے ساتھ **بالتی هی احسن** کی قید لگا کر بتلا دیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔ دعوت الی اللہ دراصل انبیاء کا منصب ہے۔ امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں تو لازم یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہی سے سیکھیں۔ جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ و جدال کا سبب بن جاتی ہے۔ قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ اور کفار کے مجادلات سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں کہیں نظر نہیں آتا کہ اللہ کے کسی

رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی بھاری لفظ بولا ہو۔اس کی چند مثالیں دیکھیے۔(دیکھیے: معارف القرآن: ۴۲۲/۵-۴۳۰، ادارۃ المعارف، کراچی، ط: ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)

جو شخص دعوت دین اور اصلاح کا کام کرتا ہے خواہ مؤثر ہو یا نہ ہو، اس کو بہر حال اپنے عمل کا ثواب ملتا ہے۔(مصدر سابق: ۱۱۹/۱)

(۷)-داعی کو دو باتوں کا خاص اہتمام کرنا چاہیے: نیک اعمال، برائی کے جواب میں بھلائی:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین. ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم .** (حم سجدہ: ۳۳،۳۴) اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے (جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور (اظہار اطاعت کے لیے) کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں؟ (یعنی بندگی کو فخر سمجھے، تکبر کرنے والوں کی طرح عار نہ کرے)۔اور (چونکہ دعوت الی اللہ میں جس کا اوپر ذکر ہے، اکثر ناواقفوں کی طرف سے نقصان اور تکلیف کا سامنا ہوتا ہے، اس کے متعلق خصوصا اور دوسرے حالات میں بھی عموماً اچھا رویہ اختیار کرنے کی تعلیم فرماتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کو خصوصا اور آپ کے پیروکاروں کو عموما۔یعنی اول ایک بنیادی بات سمجھنی چاہیے کہ) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی۔(بلکہ ہر ایک کا اثر جدا ہے۔جب یہ بات طے ہوگئی تو اب) آپ (مع پیروکاروں) نیک برتاؤ سے (بدی کو) ٹال دیا کیجیے، پھر یکایک (دیکھ لینا کہ) آپ میں اور جس شخص میں دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کوئی دِلی دوست ہوتا ہے۔(یعنی برائی کا جواب برائی سے دینے میں تو دشمنی بڑھتی ہے اور نیکی کرنے سے دشمن کی طبیعت میں سلامتی ہو تو دشمنی گھٹتی ہے، حتیٰ کہ اکثر بالکل دشمنی جاتی رہتی ہے۔اور اس بات میں دوست کی طرح ہو جاتا ہے، اگر چہ دل سے دوست نہ ہو)۔اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ داعی الی اللہ اور شیخ کو خود بھی نیک ہونا چاہیے، ورنہ اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔(بیان القرآن: ۱۸۲۷/۳۰، ۱۸۲۸، بتسہیل)

(۸)-داعی کو شفقت اور تحمل کی ضرورت:

اللہ تعالی کا ارشاد: **لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رئووف رحیم .** (توبہ: ۱۲۸) (اے لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں (کہ تم کو نفع حاصل کرنا آسان ہو)، جن کو تمہاری تکلیف کی بات نہایت گراں گزرتی ہے (چاہتے ہیں کہ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے)، جو تمہارے فائدے کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے، پھر بالخصوص) ایمان والوں کے ساتھ (تو) بڑے ہی شفیق

(اور) مہربان ہیں (ایسے رسول سے فائدہ نہ حاصل کرنا بڑی محرومی ہے)۔ یہ صفات ہیں رسول اللہ ﷺ کی۔ اور چوں کہ (عالم اور) شیخ بھی نائب ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا۔ اس لیے یہ صفات اس میں بھی ہونا ضروری ہیں۔ (بیان القرآن: ۱/۷۸۹ بتسہیل)

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم فى الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ان الله يحب المتوكلين** ۔ (آل عمران: ۱۵۹) بعد اس کے (کہ ان صاحبوں سے ایسی لغزش ہوئی کہ آپ کو ان پر حق ملامت حاصل تھا) خدا ہی کی رحمت کے سبب (جو کہ آپ پر ہے) آپ ان کے ساتھ نرم رہے (اس نرم اخلاقی کو رحمت کے سبب اس لیے فرمایا کہ خوش اخلاقی عبادت ہے اور عبادت کی توفیق خدا تعالی کی رحمت سے ہوتی ہے)۔ اور اگر آپ خدانخواستہ تندخو سخت طبیعت کے ہوتے تو یہ (بے چارے) آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے (پھر ان کو یہ فیوض و برکات کیسے میسر ہوتے؟) سو (جب آپ نے ان کے فائدہ پہنچانے کے لے ان کے ساتھ برتاؤ میں ایسی نرمی اختیار فرمائی تو آپ کے حکم میں جو ان سے کوتاہی ہوئی اس کو) آپ (دل سے بھی) ان کو معاف کر دیجیے۔ اور (جو کچھ ان سے خدا تعالی کے حکم میں کوتاہی ہوگئی اس میں) آپ ان کے لیے (حق تعالی سے) استغفار کر دیجیے (گو اللہ تعالی نے اس لغزش کو معاف فرما دیا ہے مگر آپ کا استغفار فرمانا یہ علامت ہوگی آپ کی زیادہ شفقت کی جس ان کی اور زیادہ تسلی ہوگی) اور (بدستور) ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجیے (تاکہ اس سے اور دونا ان کا جی خوش ہو) پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کر لیں (خواہ ان کے مشورے کے موافق یا مخالف ہو) سو خدا تعالی پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجیے، بے شک اللہ تعالی ایسے اعتماد کرنے والوں سے (جو خدا تعالی پر اعتماد رکھیں) محبت فرماتے ہیں۔ (بیان القرآن: ۱/۳۵۰، بتسہیل)

اس سے بھی داعی کو نرم مزاج اور بردبار ہونے کی ضرورت ثابت ہوئی۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **لقد اخفت فى الله ومايخاف احد ،ولقد اوذيت فى الله ومايؤذى احد ،ولقد اتت على ثلاثون من بين يوم وليلةومالى ولبلال طعام ياكله ذوكبد الا شئى يواريه ابط بلال .** (سنن ترمذی: ۲/۲۴۷۲ شاکر، قال الترمذی: ہذا حدیث حسن صحیح)

مجھے اللہ کی خاطر اتنا ڈرایا گیا جتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا اور مجھے اللہ کی خاطر اتنا ستایا گیا جتنا کسی کو نہیں ستایا گیا۔ اور مجھ پر پورے تیس دن رات لگاتار ایسے آئے کہ میرے لیے اور بلال کے لیے کوئی کھانے کی چیز نہیں تھی سوائے اس کے جو بلال کی بغل نے چھپالی۔

تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا ہے۔ جس کو امت کے حال پر شفقت ہوگی وہی تبلیغ کے مصائب کو خوشی سے برداشت کر سکے گا۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۶۴/۲۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۷ھ)

شفقت اور چیز ہے، تصدی اور چیز ہے۔ حق تعالی تصدی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: **اما من استغنی فانت له تصدی** . (عبس: ۵، ۶) وہ جو پرواہ نہیں کرتا، سو تو اس کی فکر میں ہے۔

(مستند موضح قرآن: ۷۶۱)

اسی طرح اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی جامع مانع عنوان سے تعریف نہیں ہو سکتی۔ کسی محقق کی صحبت میں رہ کر اپنے اوپر طاری ہونے سے سمجھ میں آتی ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۰۲/۸، بتسہیل، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۸ھ)

پس شفقت اچھی ہے، تصدی اچھی نہیں۔

(۹)- خطاب عام یعنی وعظ کہنے کی اہمیت:

وعظ بڑی نافع چیز ہے۔ اور یہ دین میں اس قدر اہم خدمت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا۔ درس وتدریس وغیرہ سب اسی کے مقدمے ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۲۲/۱۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

اصل کام دعوت الی اللہ ہے۔ اور اس کے محفوظ اور قائم رکھنے کے لیے مدارس کی ضرورت ہے۔ اب چاہیے کہ جب مدارس سے علم ضروری حاصل کر لیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں۔ جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے، اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے۔ (خطبات حکیم الامت: ۲۳/۱۳)

(۱۰)- وعظ میں کیا مضمون بیان کیا جائے، کس انداز سے بات کہی جائے اور کب بیان کیا جائے؟:

آج کل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ وعظ سے رنگین اور چٹ پٹے مضامین کو مقصود سمجھتے ہیں اور ایسے ہی واعظوں کے وعظ کو بہت پسند کرتے ہیں جو ایسے مضامین بہت بیان کرتے ہوں کہ اچھا ہے تھوڑی دیر کے لیے بزم رنگین رہے گی۔ یاد رکھو! وعظ کا مقصد علاج ہے امراض کا۔ اگر مزہ دار مضمون بھی کوئی آ جائے تو اس کی زینت ہے، ورنہ مقصود ہر طرح قابل تحصیل ہے۔ جب مقصد یہ ٹھہرا تو وعظ کہنے والے اور سننے والے کو اس کی رعایت ضروری ہے۔

(خطبات حکیم الامت: ۳۸۳/۲۳، ملخصاً بتسہیل، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۸ھ)

وعظ میں خطاب عام ہے۔ اس میں ضرورت وقت کا لحاظ رکھیں۔ جن گناہوں میں لوگ اس زمانہ

میں مبتلا ہوں یا جن ضروری اعمال میں کوتاہی کرتے ہوں اصل مدار اس پر رکھیں۔دوسرے مضامین اگر ہوں تو ضمناً اور کم ہوں۔اور یہ ضروری مضامین دین کے سب شعبوں کے ہوں۔صرف عقائد اور عبادت پر اکتفانہ کریں، بلکہ معاملات،معاشرت اور اخلاق سے بھی تفصیلی بحث کریں۔بلکہ بوجہ متروک ہوجانے کے یہ آخری تین اجزاء زیادہ اہم ہوگئے ہیں۔اور وعظ میں بات صاف کہیں کہ سننے والوں کی سمجھ میں خوب آئے، مگر سختی اور اشتعال انگیزی سے بچیں۔اور وعظ پر عوض نہ لیں الا یہ کہ وعظ کہنے پر ملازم ہوں۔

(اصلاح انقلاب امت:۲۲/۱،۲۳بتسہیل،حضرت تھانوی،ادارۃ المعارف کراچی،ط:۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جب فرعون کو دعوت دینے بھیجا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خصوصی نصیحت ہوئی تھی: **فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى .** (**طه**:۴۴) پھر (اس کے پاس جاکر) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ (رغبت سے) نصیحت قبول کرلے یا (عذاب الٰہی سے) ڈر جائے (اور اس سے مان جائے)۔(بیان القرآن:۱۲۸/۲))

بات تو حق کہے،لیکن عنوان نرم ہو،دل آزار اور غیر مہذب نہ ہو۔مولانا (رومی) فرماتے ہیں: ع نرم گو لیکن مگو غیر صواب۔لیکن یہ نہیں کہ زید سمجھے ہمارے مشرب کا ہے،عمرو سمجھے ہمارے مشرب کا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۱۹۶/۱۰)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) قدس سرہ کا ارشاد ہے: بات لگا کر کہنے سے کوئی نفع نہیں ہوتا، بری بات چھوٹتی نہیں۔شاہ اسحاق اور مولانا اسماعیل صاحب، ان سب حضرات کا ایک ہی مشرب تھا،مگر شاہ اسحاق صاحب نے شقیں نکال کر کہا۔کچھ فائدہ نہ ہوا۔مولوی اسماعیل صاحب نے صاف صاف منع کیا۔بہت سے مان گئے۔

(تذکرۃ الرشید:۲۴۷/۲بتسہیل،ادارہ اسلامیات،لاہور،ط:۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء)

(تقریر کرتے وقت ہاتھ ہلانے کی عادت: دیکھیے: ملفوظات حکیم الامت: ۳۰۸/۱۰،ایک جلسے میں کئی واعظین کا بیان کرنا: ملفوظات حکیم الامت: ۱۷۳/۱۰، وعظ کے لیے وقت کی تحدید: ملفوظات حکیم الامت: ۱۷۰/۱۰،مسجد میں نماز کے اوقات میں جب لوگ فرض یا سنن یا نوافل پڑھ رہے ہوں بلند آواز سے ذکر یا وعظ کیسا ہے؟ : دیکھیے: فتاوی عثمانی :۱۱۰/۱،مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ط:۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء، خیر الفتاویٰ:۲۵۸/۱،مکتبہ امدادیہ ملتان،فتاوی محمودیہ:۳۱۷/۴-۳۲۱،فاروقیہ)

عن ابی وائل قال کان عبد الله یذکر الناس فی کل خمیس فقا ل له رجل یا اباعبد الرحمن لوددت انک ذکرتنا کل یوم قال اما انه یمنعنی من ذلک انی اکره ان

املکم وانی اتخولکم بالموعظة کما کان النبی ﷺ یتخولنا بها مخافة السآمة علینا. (صحیح بخاری:۷۰رفؤاد)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ان سے ایک آدمی نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ہمیں روزانہ بیان کیا کریں۔تو فرمایا تمہارے اُکتا جانے کا ناگوار ہونا مجھے اس طرح کرنے سے روکتا ہے۔اور میں کبھی کبھار تمھیں وعظ کہتا ہوں جیسے نبی اکرم ﷺ ہمارے اُکتا جانے کے خطرے سے کبھی کبھار ہمیں وعظ فرمایا کرتے تھے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واعظ کو سامعین کے شوق اور نشاط کا لحاظ رکھ کر کبھی کبھی وعظ کہنا چاہیے۔اور سامعین کی اکتاہٹ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ بہت لمبی تقریر ہو جو انھیں گراں گزرے۔

(۱۱)-واعظ کے تقوی اور ہدایت کی تڑپ سے اس کے وعظ میں اثر آتا ہے:

جو شخص خود تقوی اختیار کرتا ہے اس کے کہنے کا زیادہ اثر ہوتا ہے، بہ نسبت اس کے جو غیر متقی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے دو جملوں میں جو اثر ہوتا تھا وہ دوسرے واعظوں کی لمبی لمبی تقریروں میں بھی نہ ہوتا تھا۔جو اثر ان کے اس جملہ میں ہوتا تھا کہ خدا سے ڈرو، وہ دوسروں کے سالہا سال کے وعظ و پند میں نہیں ہوتا تھا۔(ملفوظات حکیم الامت:۱۰ر۱۲۳)

محقق کی ایک منٹ کی تقریر میں جو اثر ہوتا ہے وہ غیر محقق کے آدھ گھنٹہ کے لیکچر میں بھی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تو دیکھی ہوئی کہہ رہا ہے اور یہ یوں ہی گڑھی ان گڑھی ہانک رہا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۱۷ر۸۷،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۵ھ)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) قدس سرہ کا ارشاد ہے: واعظ کی اہلیت وعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لیے (اس کے دل میں) کم ازکم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہیے جتنا پاخانہ پیشاب کا۔اگر اتنا بھی نہ ہو تو وہ واعظ وعظ کا اہل ہے اور نہ اس کا وعظ مؤثر ہوسکتا ہے۔

(ارواح ثلاثہ:ص۱۸۶،مکتبۃ الحسن،لاہور،ط:اول سنہ)

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ) رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: حق بات، حق نیت سے حق طریق سے کہی جائے تو ضرور مؤثر ہوتی ہے۔جہاں بات مؤثر نہیں ہوتی وہاں ان تینوں باتوں میں سے کسی بات کی کمی ہوتی ہے۔اگر ان رعایتوں کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے گی تو ان شاء اللہ مؤثر ہوگی۔ مخاطب اثر قبول کر کے صحیح عمل کرے گا۔اور اگر مخاطب عمل نہ بھی کر سکا تو کم ازکم یہ فائدہ لازمی ہے کہ اس کو صحیح علم ہو جاتا ہے۔(مجالس مفتی اعظم:ص۴۹۳،ادارۃ المعارف،کراچی،ط:۱۴۲۴ھ ر۲۰۰۳ء)

مشائخ (طریقت) نے مبتدی کو وعظ کہنے سے منع کیا ہے۔کیونکہ وہ حظ نفس کے لیے (جی کے مزے کے لیے) وعظ کہے گا۔اس کا نفس پابندی معمولات اور تنہائی سے بھاگتا ہے۔مجمع میں باتیں بنانے کو دل چاہتا ہے۔اس لیے وعظ میں اس کو مزہ آتا ہے۔(خطبات حکیم الامت: ۲۵/۱۶۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ، نیز دیکھیے: ملفوظات حکیم الامت: ۱۲/۱۳۶)

ایک دفعہ مدرسہ دیوبند کے سالانہ جلسے کے اگلے دن حضرت گنگوہی قدس سرہ نے وعظ فرمایا۔آپ حدیث کی کتاب لے کر منبر پر بیٹھے اور **کیف ما اتفق** اسے کھول کر جو حدیث نظر پڑی اسے پڑھ کر ترجمہ فرمانے لگے۔آپ کے سارے وعظ میں حدیث نبوی کا نہایت سادہ ترجمہ اور یہی نماز روزے کے مسائل تھے جو معمولی پڑھے لکھے بھی بیان کر دیتے ہیں، مگر خدا جانے وہ غیبی تاثیر کیا تھی جس نے سارے جلسہ کو سامت وسرنگوں بنا رکھا تھا۔حضرت مولانا رفیع الدین مہتمم مدرسہ نے اس وعظ کی چشم دید کیفیت کو اس طرح تحریر فرمایا: وعظ کیا تھا گویا سامعین کو محبت الٰہی کی شراب کے جام کے جام پلا دیے۔

(تذکرۃ الرشید: ۱/۲۵۰ ملخصا، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط: ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء)

(۱۲)-داعی کو غیر اللہ کا خوف عقلی نہ ہونا چاہیے:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **الذین یبلغون رسالت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ** . (احزاب: ۳۹) یہ سب (پیغمبران گزشتہ) ایسے تھے کہ اللہ تعالی کے احکام پہنچایا کرتے تھے (اگر تبلیغ قولی کے مامور ہوئے تو قولا، اور اگر تبلیغ فعلی کے مامور ہوئے تو فعلاً) اور (اس باب میں) اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔(بیان القرآن: ۳/۱۶۶۱)

مطلب یہ کہ انبیاء تبلیغ احکام ضرور کرتے ہیں اور تبلیغ کے متعلق خوف عقلی تو ان کو صرف خدا سے ہوتا ہے، مخلوق کا خوف عقلی انھیں ذرا نہیں ہوتا، جس کے اثر سے خوف طبعی مخلوق کا ان پر ایسا غالب نہیں ہوتا جو تبلیغ سے روک دے۔بلکہ اگر کسی وقت مخلوق سے ان کو خوف طبعی ہوتا بھی ہے تو وہ خشیت خداوندی سے مغلوب ہو جاتا ہے۔پس مخلوق کے خوف عقلی کی تو مطلقا نفی ہے، اور خوف طبعی کی مطلقا نفی نہیں، بلکہ اس کے غلبہ کی نفی ہے۔(خطبات حکیم الامت: ۲۵/۱۱۴)

(۱۳)-وعظ میں فقہی مسائل کا بیان مناسب نہیں:

پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ علماء وعظ میں احکام کیوں نہیں بیان کرتے؟ صرف ترغیب وترہیب پر اکتفاء کرتے ہیں۔لیکن پھر خود تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ وعظ میں مسائل بیان کرنا ٹھیک نہیں، خصوص اس زمانہ میں

جب کہ بدفہمی کا بازار گرم ہے۔ محض ترغیب دینا ہی مناسب ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۶/۳۰۷،۳۰۸ ملخصا، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط:۱۴۲۹ھ)

(۱۴)-وعظ کے بعد سوال جواب کی نشست مناسب نہیں:

یہ جو کسی بیان کے بعد، کسی تقریر کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوتی ہے، باقاعدہ اعلان ہوتا ہے کہ بھئی سوال وجواب کی نشست ہوگی۔ یہ سوال وجواب کی نشست ہمارے ہاں مغرب سے آئی ہے۔ وہاں یہ رواج ہے کہ لیکچر کے بعد آنسر سیشن ہوتا ہے۔ یہ آنسر سیشن بیان کے مجموعی اثر اور تاثر کو زائل کردیتا ہے۔ سوال وجواب کا اور محل ہے۔ کسی اور موقع پر انفرادی طور پر کرنا ہو تو کرلیا جائے۔ (ماہنامہ البلاغ: ص۱۲، ۱۳/صفر ۱۴۳۳ھ/جنوری ۲۰۱۲ء، حضرت مفتی زین العابدین رحمہ اللہ، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ)

(۱۵)-دین پھیلانے کے لیے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں:

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (متوفی ۱۳۹۷ھ) رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ہم لوگ اللہ تعالی کی طرف سے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہولوگوں کو پکا مسلمان بنا کر چھوڑیں۔ ہاں اس بات کے مکلّف ضرور ہیں کہ تبلیغ دین کے لیے جتنے جائز ذرائع وسائل ہمارے بس میں ہیں ان کو اختیار کرکے اپنی پوری کوشش صرف کردیں۔ اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب بھی بتائے ہیں۔ ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلّف ہیں۔ اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کرکے لوگوں کو دین کی دعوت دیں اور آداب تبلیغ کو پس پشت ڈال کر جس طرح جائز وناجائز طریقے سے ممکن ہو لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کریں۔

(نقوش رفتگاں: ۱۰۴ ملخصاً، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ط:۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء)

(۱۶)-داعی کے ذمے صرف پہنچانا ہے، نہ کہ منوانا:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **عرضت علی الامم فرایت النبی ومعه الرهيط، والنبی ومعه الرجل والرجلان، والنبی ولیس معه احد.** (صحیح مسلم: رقم الحدیث: ۲۲۰/فؤاد، مختصر) میرے سامنے امتیں پیش کی گئیں، تو میں نے ایسا نبی دیکھا جس کے ساتھ ایک چھوٹی جماعت تھی، اور ایسا نبی بھی دیکھا جس کے ساتھ ایک دو آدمی تھے، اور ایسا نبی بھی دیکھا جن کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔

اس سے ایک تو یہ واضح ہوا کہ داعی نے جب صحیح بات صحیح طریقے سے پہنچادی اور مخاطب کے

شبہات کا کافی جواب دیدیا تو اس کا فرض منصبی ادا ہوگیا۔اس کے بعد جو نہ مانے وہ خود جانے۔اور دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیروکاروں کی کثرت اور قلت داعی کی کامیابی اور ناکامی کا معیار نہیں۔البتہ صحیح طریقے سے کام کرنیوالے کے لیے پیروکاروں کی کثرت ایک اضافی فضیلت ضرور ہے۔

(۱۷)۔دوسرے کی ہدایت اور اصلاح کا حد سے زیادہ اہتمام مطلوب نہیں:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **یاایھاالذین آمنو ا علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذااھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم تعملون.** (مائدہ:۱۰۵) اے ایمان والو! اپنی (اصلاح کی) فکر کرو، (اصل کام تمہارے ذمہ یہ ہے۔باقی دوسروں کی اصلاح کے متعلق یہ ہے کہ جب تم اپنی طرف سے نفع کی امید پر اپنی طاقت کے مطابق کوشش کر رہے ہو،مگر دوسرے پر اثر نہیں ہوتا تو تم اثر نہ ہونے کی فکر میں نہ پڑو، کیونکہ) جب تم (دین کی) راہ پر چل رہے ہو(اور واجبات دین کو ادا کر رہے ہو،اس طرح کہ اپنی بھی اصلاح کر رہے ہو اور دوسروں کی اصلاح میں بھی کوشش کر رہے ہو) تو جو شخص (باوجود تمہاری اصلاح کی کوشش کے بھی) گمراہ رہے تو اس (کے گمراہ رہنے) سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔(اور جیسا دوسرے کی اصلاح میں حد سے زیادہ فکروغم سے منع کیا جاتا ہے، ایسا ہی ناامیدی ہدایت کے وقت غصہ میں آکر دنیا ہی میں ان پر سزا نازل ہونے سے حق وباطل کا اخیر فیصلہ ہوجانے کی بھی تمنا مت کرنا، کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا، چنانچہ) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دیں گے جو جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے۔(اور جتلا کر حق پر ثواب اور باطل پر عذاب کا حکم نافذ فرمادیں گے)۔اور یہی طریق ہے عارفین کا، کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر چکنے کے بعد کسی کے زیادہ درپے نہیں ہوتے۔

(بیان القرآن:۶۱۱/۱)

(اس آیت کے مضامین کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے: حضرت تھانوی قدس سرہ کا وعظ التصدی للغیر۔خطبات حکیم الامت: ۲۸۴/۲۵-۳۰۲۔نیز دیکھیے: معارف گنگوہی: ص۳۳،۳۴،ادارہ اسلامیات، لاہور،ط:۱۹۷۶ء،مجموعہ ملفوظات حضرت گنگوہی،افادات: حضرت تھانوی،ترتیب: مولانا محمد اقبال قریشی)

(۱۸)۔علماء کے کسی جائز کام سے اگر عوام کے ناجائز کام میں پڑنے کا اندیشہ ہو؟

بعض مرتبہ میں (یعنی حضرت تھانوی قدس سرہ) ایک جائز بات کی اجازت مقتدا کو بھی نہیں دیتا، جس میں لوگ اس مقتدا کے فعل کی سند پکڑیں گے، ناجائز چیزوں کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔اور عامی شخص کو اسی بات کی اجازت دیتا ہوں کیونکہ یہاں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی اقتدا کریں گے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۲۴۸/۱۰)

علماء کو بہت سے جائز کاموں سے بھی رُکنا پڑتا ہے۔اس لیے تاکہ عوام گمراہ نہ ہوں۔علماء کو بہت سے ایسے جائز کام چھوڑنے پڑتے ہیں جن میں خطرہ ہو کہ عوام کو کوئی مغالطہ لگ جائے گا۔

(مجالس مفتی اعظم:۲۰۰)

(۱۹)۔انبیاء پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے، برخلاف علماء کے:

انبیاء پر تبلیغ ہر حال میں فرض ہے،علماء پر کبھی فرض اور کبھی مستحب۔

(خطبات حکیم الامت:۲۵/۱۱۵ملخصا)

(۲۰)۔مخلوق سے تعلق بذات خود مقصود نہیں:

تعلق مع الخلق مقصود و مطلوب بالذات نہیں، گو بعض دفعہ کسی عارض کے سبب مطلوب و مامور بہ ہوتا ہے،اور کبھی مطلوب بالذات سے مقدم بھی ہو جاتا ہے،مگر اس کو قاعدہ کلیہ بنالینا سخت غلطی ہے۔

(خطبات حکیم الامت:۲۵/۲۳۹، نیز دیکھیے: خطبات حکیم الامت:۲۵/۲۳۵)

(۲۱)۔نفع تام افضل ہے نفع عام سے:

ایک صاحب کے پاس حضور ﷺ کے نامزد حضور ﷺ کی تصویر ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا حضرت مولانا اسماعیل شہید اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہما اللہ کے زمانے میں بھی ایسی ہی بات پیش آئی تھی۔مولانا اسماعیل شہید سے پوچھا گیا کہ ایک تصویر ہے جو حضور ﷺ کے نامزد ہے،اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ فرمایا معاملہ کیا ہوتا حضور ﷺ کے ساتھ نامزد ہونے سے حکم شرعی نہیں بدلتا۔حضرت شاہ عبدالعزیز سے پوچھا گیا تو فرمایا (تصویر) جان دار ہے یا بے جان؟ سائل نے عرض کیا بے جان۔فرمایا جب صاحب تصویر بے جان ہو گئے تو کیا معاملہ کیا گیا؟ عرض کیا غسل وکفن دے کر دفن کر دیا گیا تھا۔فرمایا تم بھی ایسا ہی کرو کیوڑے، گلاب سے غسل دو اور بہت قیمتی کپڑے میں لپیٹ کر کسی ایسی جگہ دفن کر دو جہاں کسی کا پاؤں نہ آئے۔

بات ایک ہی ہے کہ (تصویر) مٹا دی گئی،مگر عنوان کا فرق ہے۔ایک اس سے بھی اچھا فیصلہ ہے۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ کے سامنے اگر یہ (تصویر) پیش کی جائے تو حضور ﷺ (اس کے ساتھ) کیا معاملہ فرماتے؟ ظاہر ہے کہ اتنا بھی نہ فرماتے جتنا شاہ صاحب نے فرمایا۔بلکہ مولانا شہید ہی جیسا فتوی اور عمل فرماتے۔ حضرت مولانا شہید اور حضرت شاہ صاحب کی تجویزوں میں یہ فرق ہے کہ ایک کا نفع عام ہے اور ایک کا نفع تام۔حضرت شاہ عبدالعزیز کی تجویز کا نفع عام ہے۔اور حضرت مولانا اسماعیل شہید کی تجویز کا نفع تام ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ نفع عام سے نفع تام افضل ہے، اگرچہ نفع عام زیادہ آسان ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۲۹۷/۷، ۲۹۸ ملخصاً)

(۲۲)۔نفع لازمی اور نفع متعدی میں سے افضل کونسا ہے؟

یہ جو مشہور ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے افضل ہے، یہ علی الاطلاق صحیح نہیں۔ بلکہ اصل یہی ہے کہ نفع لازمی نفع متعدی سے افضل ہے، کیونکہ آیت **فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب** (انشراح: ۷،۸) پھر جب تو فارغ ہو تو محنت کر، اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔(مستند موضح قرآن: ۸۷۷) میں رسول اللہ ﷺ کو امر ہے کہ جب آپ نفع متعدی سے فارغ ہو جائیں یعنی تبلیغ سے، تو نفع لازمی میں مشغول ہوں، یعنی توجہ الی اللہ میں۔ یہ سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ نفع لازمی متعدی سے افضل ہے۔ کیونکہ متعدی سے فراغ کو طلب کیا گیا ہے، نہ کہ لازمی سے۔ پھر اس کے بعد نفع لازمی میں اشتغال کلی کا حکم ہے کہ اسی میں توجہ رکھیے، اس وقت دوسری طرف التفات نہ ہو۔ جیسا کہ **الی ربک** کی تقدیم کا مقتضا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر نفع متعدی افضل ہوتا تو اس سے فراغ مطلوب نہ ہوتا۔ بلکہ یوں ارشاد ہوتا: **فاذا فرغت من ذکر ربک فانصب فی التبلیغ والیہ فارغب** ۔(جب آپ اپنے رب کی یاد سے فارغ ہو جائیں تو تبلیغ میں محنت کریں اور اسی میں دل لگائیں)۔(خطبات حکیم الامت: ۲۸۰/۲۵ ملخصا)

(۲۳)۔لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو اور تبلیغ کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہو تو کیا کریں؟

جس جگہ لوگوں کو کسی مسئلہ کا علم ہو، اور ان لوگوں کو اس مسئلہ کی تبلیغ کرنے میں فتنہ کا بھی اندیشہ ہو، تو ایسے موقع پر مفاسد و مضار خاصہ کے ترتب کی بنا پر عجب نہیں بعض اوقات تبلیغ ناجائز ہو!۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۲۳۹/۱۰)

(۲۴)۔اس زمانے میں غیر مسلموں کو تبلیغ کرنا کیسا ہے؟:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کفار کی تبلیغ بھی ہے۔ خواہ تقریر سے ہو، خواہ تحریر سے، اپنے ملک کے کافروں کو بھی اور دوسرے ملک کے کافروں کو بھی۔ اور یہ دین کے احکام کے پھیلاؤ کی وجہ سے اگرچہ اس وقت واجب نہیں رہا، لیکن اگر کوئی ہمت کرے عین عزیمت ہے۔(اصلاح انقلاب امت: ۲۶/۱ ملخصاً)

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ اس زمانے میں مسلمانوں پر تبلیغ اسلام واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا جہاں اسلام پہنچ چکا ہے وہاں تبلیغ اسلام واجب نہیں ہے، جیسا کہ بلوغ اسلام اکثر جگہ ہو چکا ہے اور تبلیغ سے مقصود بلوغ اسلام ہے۔ اگر خود بلوغ ہو جائے تو فرضیت تبلیغ کی ساقط ہو جائے گی۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۱۴/۱۲ بتسہیل، نیز دیکھیے: الدر المختار مع رد المحتار: ۱۲۹/۴، الفتاوی الہندیۃ: ۱۹۳/۲)

(۲۵)-عوام اور علماء کی ذمہ داری آدھی آدھی ہے:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون (النحل : ٤٣)** سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو معلوم نہیں۔ (موضح فرقان: ۳۵۹)

اس آیت سے اس کی دلیل لی گئی ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اسے علماء سے معلوم کرنا لازم ہے۔ (روح المعانی: ۷/۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ط: ۱۴۱۵ھ ومثلہ فی تفسیر عثمانی: ص ۳۵۹، ح ٦)

یہ آیت اگرچہ مشرکین مکہ کے جواب میں نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ الفاظ کے عام ہونے کا اعتبار ہوتا ہے، نہ کہ سبب نزول کے خاص ہونے کا، اس لیے اس سے عام حکم ثابت ہوگا کہ جو عالم نہ ہو وہ عالم سے پوچھ کر عمل کرے۔ (تقلید کی شرعی حیثیت: ص ۲۴، ۲۵ ملخصا، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط: ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **الم یکن شفاء العی السئوال.** (سنن ابی داود: ۷/۳۳۷، ارنووط: قال: حدیث حسن) کیا ناواقف کی شفاء پوچھنا نہیں؟ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **طلب العلم فریضة علی کل مسلم.** (سنن ابن ماجۃ: ۲۲۴/حسنہ المزی) دین کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں: **قالوا ان العالم لایجب علیه السعی الی الجاهل لازالة جهله، وانما یجب علی الجاهل ان یسعی ویسال العالم، فاذا ساله وجبت الاجابة.** (حاشیۃ الطحاوی علی المراقی: ص ۸، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط: ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء) عالم پر لازم نہیں کہ ناواقف کی ناواقفیت دور کرنے کے لیے اس کے پاس جائے۔ ناواقف ہی پر لازم ہے کہ جائے اور عالم سے پوچھے۔ جب اس سے پوچھے گا تو جواب دینا لازم ہوگا۔

یلزم کل مومن ومومنة اذا جهل شیئا من دینه ان یسئل عنه. (التمہید لابن عبدالبر: ۸/۳۳۸، وزارۃ عموم الاوقاف، المغرب، ط: ۱۳۸۷ء) ہر مومن مرد اور عورت پر لازم ہے کہ دین کی جو بات اسے معلوم نہ ہو اسے پوچھے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **من سلک طریقا یطلب فیه علما سلک الله به طریقا الی الجنة، وان الملائکة لتضع اجنحتها رضا لطالب العلم.** (مسند احمد: ۱۵/۲۱۷، قال محققوہ: حسن لغیرہ) جو شخص کسی راستے پر چلا جس میں وہ دین کا کچھ علم طلب کرتا ہے تو اللہ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا۔ اور فرشتے اپنے بازو رکھ دیتے ہیں علم دین طلب کرنے والے سے خوش ہو کر۔ (اس حدیث میں جو فضیلت آئی ہے وہ پورا عالم دین بننے کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ فرض عین درجے کا علم دین حاصل کرنے

والا بھی اس میں داخل ہے۔(خطبات حکیم الامت :۹۹/۲۷ ملخصاً، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ، نیز دیکھیے: مرقاۃ المفاتیح:۲۹۵/۱)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **انما العلم بالتعلم. (اخرجه البخاری معلقا بصیغه الجزم. کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل)اسناده حسن الا ان فیه مبهما اعتضد بمجیئه من وجه آخر. والمعنی لیس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبیاء او ورثتهم علی سبیل التعلم.** (فتح الباری لابن حجر:۱۶۱/۱، دارالمعرفۃ، بیروت، ط:۱۳۷۹ھ) علم (دین استاذ سے) سیکھنے سے ہی آتا ہے۔ مطلب یہ کہ معتبر علم وہی ہے جو انبیاء اور ان کے وارثوں سے سیکھ کر حاصل کیا جائے۔ لہٰذا ذاتی مطالعے سے کوئی عالم نہیں ہوسکتا۔

ان نصوص صریحہ سے واضح ہوا کہ دین سیکھنے سکھانے میں آدھا کام عوام کا ہے اور آدھا کام علماء کا۔ عوام کی ذمہ داری ہے کہ علمائے حق سے دینی رہنمائی لیں اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے سوالوں کا کافی جواب دیں۔ اب اگر کوئی علماء سے دین نہیں لیتا، بلکہ از خود ہر کس و ناکس کو سنتا پڑھتا ہے یا خود سے قرآن وحدیث سمجھنا شروع کر دیتا ہے یا کسی ایسے کو استاذ بنالیتا ہے جس نے کسی مستند عالم استاذ سے علم دین حاصل ہی نہیں کیا اور فکری یا عملی گمراہی میں پڑ جاتا ہے تو اپنی گمراہی کا ذمہ دار وہ خود ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: بعض انگریزی خواں طلبہ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آ کر ہمیں ہدایت کریں۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگوں کے گھروں پر جا کر ان کو ہدایت کریں۔ نیز اس میں شبہ ان کی حاجت مندی کا بھی ہوسکتا ہے۔ بس یہی مناسب ہے کہ علماء اپنے مکان پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں۔ سول سرجن پر آپ نے کبھی اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن غیر شفیق ہے، بیمار کے پاس گھروں میں آ کر علاج نہیں کرتا۔ حالانکہ اس کو آپ کے پاس آنا آسان بھی ہے، مگر خود اس کے پاس جاتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ آپ امراض جسمانی کو تو مہلک سمجھتے ہیں اور امراض روحانی کو اس قدر مہلک نہیں سمجھتے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۴۴۴/۲۳)

اور ارشاد ہے: میں تو اس زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت کو فرض عین کہتا ہوں اور فتوی دیتا ہوں کہ اس زمانہ میں اہل اللہ اور خاصان حق کی صحبت اور ان سے تعلق رکھنا فرض عین ہے جیسے نماز، روزہ وغیرہ فرض عین ہے۔ اس لیے کہ ایمان کی سلامتی کا جو ذریعہ ہوگا اس کے فرض عین ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ اور

تجربہ سے معلوم ہوا کہ آج کل ایمان کی سلامتی کا ذریعہ صرف اہل اللہ کی صحبت ہے۔اس تعلق کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ کوئی جادو اثر نہیں کرتا۔(ملفوظات حکیم الامت:۳۸/۹،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۹ھ)

لہٰذا اگر کوئی نیک صحبت اختیار نہ کرے اور گمراہی کا شکار ہو جائے تو یہ اس کی اپنی کوتاہی ہے۔اور اس کا علاج اب بھی یہی ہے کہ اہل اللہ کے سائے میں رہے۔

(۲۶)-جس فتنے کو دفع کرنا قدرت سے باہر ہو اس کی مدافعت نہیں کرنی چاہیے:

رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی ہے: **اذا اردت بقوم فتنة فتوفنی غیر مفتون.** (سنن ترمذی:۳۲۳۵ رشاکر،قال الترمذی:حسن صحیح) اے اللہ جب آپ کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنا چاہیں تو مجھے ایسی حالت میں اٹھا لیجیے کہ میں فتنہ میں مبتلا نہ ہوں،بلکہ اس سے بچا رہوں۔آپ نے یہ دعا نہیں فرمائی کہ مجھے اس فتنہ کے دفع کرنے کی ہمت دیجیے۔بعض فتنے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا دفع کرنا قدرت سے باہر ہوتا ہے،اس وقت طلب مدافعت مناسب نہیں،بلکہ اپنا بچاؤ کرنا چاہیے۔پھر یہ بات معلوم کرنا کہ فتنہ کا رفع دفع کرنا قدرت سے باہر ہے یا نہیں؟ یا تو دلیل قطعی سے معلوم ہوگا۔جیسا حضرات انبیاء علیہم السلام کو وحی سے معلوم ہو جاتا ہے،یا دلیل ظنی سے اس طرح معلوم ہو کہ اس کے ظن غالب میں اس کا رفع قدرت سے باہر ہو۔

(خطبات حکیم الامت:۲۵/۱۶۸،۱۶۹ملخصاً)

(۲۷)-جسے ہدایت کی طلب نہ ہو اسے ہدایت نہیں ملتی:

قرآن میں جو ارشاد ہے: **انک لاتهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء.** (قصص:۵۶) تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے،پر اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے۔

(موضح فرقان:۵۲۱)

اس آیت میں **یشاء** کی ضمیر جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ کی راجع ہے۔لیکن قواعد عربیہ کے موافق ایک دوسری توجیہ لطیف یہ بھی ہوسکتی ہے کہ **یشاء** کی ضمیر **من** کی طرف راجع ہو۔مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص خود اپنی ہدایت کا قصد کرے خدا تعالیٰ اس کو ہدایت دیتے ہیں۔

اور اس بات کی تائید دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے کہ اگر خود قصد کرے تو خدا تعالیٰ بھی امداد فرماتے ہیں ورنہ نہیں۔چنانچہ ارشاد ہے: **والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا .** (عنکبوت:۶۹)اور جنھوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں۔(موضح فرقان:۵۳۸)اور دوسری جگہ ارشاد ہے: **انلزمکموها وانتم لها کارهون.** (ہود:۲۸) تو کیا ہم تم کو مجبور کرسکتے ہیں اس پر اور تم اس

سے بیزار ہو؟ (موضح فرقان: ۲۹۷)

یہ اس پر بیان فرمایا کہ جو شخص اپنی اصلاح نہ چاہے شیخ اس کی اصلاح نہیں کرسکتا۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۱۲/۱۳۶، ۱۳۷)

جو خود اپنی اصلاح نہ چاہے، اس کی تو نبی بھی اصلاح نہیں کر سکتے۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۲/۴۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۹ھ)

(۲۸)-ضروری نہیں کہ جس سے دین کی خدمت لی جائے وہ عنداللہ مقبول ہو:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر.** (صحیح بخاری: ۳۰۶۲/فؤاد، مختصر) بے شک اللہ تعالی اس دین کو مضبوط کرتے ہیں فاجر آدمی (منافق یا فاسق) کے ذریعے۔

(مرقاۃ المفاتیح: ۹/۳۷۹۴)

(۲۹)-ہر شخص اپنی قابلیت اور صلاحیت کے لحاظ سے دعوت سے نفع اٹھاتا ہے:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضا، فکان منھا نقیۃ قبلت الماء فانبتت الکلا والعشب الکثیر، وکانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا وسقوا وزرعوا، واصابت منھا طائفۃ اخری انما ھی قیعان لاتمسک ماء ولا تنبت کلا. فذلک مثل من فقہ فی دین اللہ ونفعہ مابعثنی اللہ بہ فعلم وعلم ومثل من لم یرفع بذلک راسا ولم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت بہ.** (صحیح بخاری: ۷۹/فؤاد)

اللہ تعالی نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال بہت زیادہ بارش کی ہے جو زمین پر ہوئی۔ تو زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کیا اور اس سے بہت زیادہ خشک اور ہری گھاس پیدا ہوئی۔ اور زمین کے کچھ حصے ایسے سخت تھے کہ ان کے اوپر پانی جمع ہو گیا۔ اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا۔ اور یہ بارش ایسے حصے پر بھی پہنچی جو چٹیل میدان تھا، نہ تو اس نے پانی روکا اور نہ گھاس اُگائی۔ لہٰذا یہ سب اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین کو سمجھا اور جو چیز خدا تعالی نے میرے ذریعے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کی جس نے خدا کے دین کو سمجھنے کے لیے تکبر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور خدا تعالی کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔

☆......☆......☆......☆

ضمیمہ ۳

۱- محققین کے وعظ کا اثر موت تک رہتا ہے۔(ملفوظات حکیم الامت:۱۰/۲۶۸،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۹ھ)

۲- دعوت اسلام شروع اسلام میں فرض تھی،اب چونکہ شائع ہوگئی لہٰذا فرض نہیں، مستحب ہے۔(تقاریر حضرت شیخ الہند: ص۲۸۱، تقریر سنن ابی داؤد،باب فی دعاء المشرکین،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:سنہ ندارد،مرتبہ:مولانا عبد الحفیظ بلیاوی)

۳- آیت (لم تقولون مالا تفعلون) دعوی کے باب میں ہے،دعوت کے باب میں نہیں۔اس کے شان نزول معلوم ہو جانے کے بعد سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اس آیت کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ممانعت سے کچھ بھی مس نہیں۔غرض واجب تو دوسرے کی اصلاح ہے مگر اپنی اصلاح اس پر ضرورت میں مقدم ہے۔اور باوجود اس کے حق تعالی نے اصلاح غیر کو مہمل نہیں چھوڑا،بلکہ جابجا نہایت اہتمام سے بلا تقدیم اصلاح خود کے اس کا امر فرمایا ہے۔اور وجہ اس کے اہتمام کی یہ ہے کہ اپنی اصلاح کو تو ہر شخص ضروری سمجھتا ہے اور دوسرے کی اصلاح کا کچھ اہتمام نہیں کرتا۔اس لیے دوسرے کی اصلاح کے لیے زیادہ اس کے اہتمام کی ضرورت ہوئی۔اور اسی لیے آیت کنتم خیر امۃ (تم بہترین امت ہو) میں اصلاح نفس سے پہلے ذکر کیا تاکہ اپنی اصلاح کے بعد دوسرے کی اصلاح سے بے فکر نہ ہو جاویں۔۔۔۔۔البتہ اصلاح غیر کے بقدر استطاعت مدارج ہیں۔چنانچہ ایک درجہ یہ ہے یاایہاالذین آمنوا قوا انفسکم واہلیکم نارا۔۔۔۔۔دوسرا درجہ یہ ہے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر۔اس درجہ کا حاصل تبلیغ عام ہے اور ایک جگہ ہے کہ وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔اس میں بھی تخصیص نہیں اہل وعیال کی۔(خطبات حکیم الامت:۴/۴۳۷،۴۳۸،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۳۰ھ)

۴- فی نفسہ اپنی اصلاح غیر کی اصلاح سے مقدم ہے۔مگر اس تقدیم کے یہ معنی نہیں کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو دوسرے کی اصلاح بھی نہ واجب نہیں۔بلکہ یہ تو محض عملی ترتیب ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔پھر دوسرے کی کرے۔یہ نہیں کہ اگر مقدم کام نہ کیا تو مؤخر کو بھی نہ کرے۔کیونکہ دراصل یہ دو کام الگ الگ ہیں۔ایک دوسرے کا موقوف علیہ

نہیں۔ایک کو بھی ترک کرے گا تو اس ایک کے ترک کا گناہ ہو گا۔(خطبات حکیم الامت:۱۳/ ۲۴۹،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۷ھ)

۵- صاحبو میرے نزدیک تو اس وقت میدان میں نکلنے کا وقت نہیں،کیونکہ حدیث میں ہے اذا رایت شحا مطاعا ودنیا مؤثرۃ وہوی متعادا واعجاب کل ذی رای برایہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع عنک امر العامۃ(سنن ابن ماجہ:۴۰۱۴/ فؤاد،وبمعناہ فی سنن ابی داؤد:۴۳۴۳/ محیی الدین ومسند احمد:۶۹۸۷/ قال محققو المسند:اسنادہ صحیح)اور جب تم دیکھو کہ زبان دراز لوگوں کی اطاعت کی جائے اور خواہشات کی پیروی کی جائے اور ہر شخص اپنی رائے پر ناز کرنے لگے تو اس زمانہ میں تم پر لازم ہے کہ اپنی فکر کرو اور دوسروں کی (فکر نہ کرو)۔اور میرے نزدیک آج کل یہ سب علامات موجود ہیں۔اس لیے آج کل گوشہ نشینی لازم ہے۔مگر میں اپنی رائے پر اصرار نہیں کرتا۔اگر کسی عالی ہمت کے نزدیک ابھی ان علامات کے ظہور کا وقت نہ ہو تو بسم اللہ وہ میدان میں نکلیں مگر اپاہجوں کو کیوں اپنے ساتھ کھینچتے ہیں۔آخر یہ ایک کام یہ بھی تو ہے کہ خدا سے دعا کریں تو ان کو اس کام کے واسطے رہنے دیں۔ایک جماعت اس کے واسطے بھی تو ہونا چاہیے۔یہ تقسیم عمل اچھی ہے،مگر افسوس آج کل دعا کو لوگ عمل ہی نہیں سمجھتے۔(خطبات حکیم الامت:۱۱/۶۸، ۶۹،ادارہ تالیفا ت اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۲۸ھ)

۶- جس کی اصلاح اپنے قبضہ میں ہو وہاں تو دعا بھی کرو،تدبیر بھی کرو۔اور جہاں اصلاح قبضہ میں نہ ہو وہاں دعا تو مطلقا جائز ہے،مگر تدبیر اس شرط سے جائز ہے کہ اپنا ضرر نہ ہو۔۔۔اصلاح نفس اصلاح غیر سے مقدم ہے۔ایثار کی اسی کو اجازت ہے جو اپنی اصلاح سے فارغ ہوچکا ہو۔(خطبات حکیم الامت:۲۵/۱۷۳، ۱۷۴،ادارہ تالیفات اشرفیہ ،ملتان،ط:۱۴۲۹ھ)

۷- غیر عالم کو وعظ نہیں کہنا چاہیے،البتہ محدود الفاظ سے ترغیب کا مضائقہ نہیں۔(خطبات حکیم الامت:۲۷/ ۱۷۰، ۱۷۱،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان،ط:۱۴۱۷ھ)

۸- مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمہ اللہ کتاب دیکھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے،مگر مجمع پر اثر حیرت انگیز ہوتا تھا۔لوگوں نے اس اثر کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جب میں کوئی بات کہتا ہوں تو میری دلی تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے سب اس کے مطابق

کام کرنے لگیں۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ ہر چہ از دل خیز د بر دل ریز د۔ وعظ و نصیحت کے مؤثر ہونے میں واعظ و ناصح کا خیر خواہ اور دل سے طالب اصلاح ہونا سب سے زیادہ اہم شرط ہے۔(ملفوظات حکیم الامت: ۲۴/ ۲۰۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ ،ملتان، ط: ۱۴۲۲ھ)

۹- فرمایا کہ در حقیقت یہ (حیاۃ المسلمین) تو ایک سیاسی رسالہ ہے۔ مسلمانوں کی قومی ترقی اور ہر طرح کی فلاح اس کا اثر ہے، مگر مذہبی رنگ میں لکھا گیا ہے۔ اگر مسلمان اس کا اتباع کر لیں تو مسلمانوں کو اجتماعی قوت و عزت وہ حاصل ہو جائے جو کسی سیاسی تحریک سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور فرمایا کہ ہمارا کام اتنا ہے کہ حق کی اشاعت کر دیں۔ پھر گروہ بنانا اور در پے ہونا نفس کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتا۔ جملہ اوراق و کتب درنار کن – سینہ بانور حق گلزار کن۔(ملفوظات حکیم الامت: ۲۴/ ۲۰۴، ۲۰۵)

۱۰- حقیقت میں دین کی سب بڑی تبلیغ یہ ہے کہ اپنے حالات، معاملات، اخلاق کو درست کر لیا جائے۔ اس کو دیکھ کر لوگ خود بخود مسلمان اور نیک ہو جاویں گے۔(ملفوظات حکیم الامت: ۲۴/ ۱۲۹)

۱۱- عرض کیا (موجودہ حالات میں مسلمانوں کی فلاح کے لیے) پھر کیا کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ مسلمانوں کے واسطے جو زندہ ہیں ان کے لیے باہم اتفاق اور کفار پر غلبہ کی دعا اور جو مردہ ہیں ان کے لیے مغفرت کی دعا۔ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں یہ سب کچھ تجربات کی بنا پر عرض کر رہا ہوں۔۔۔۔ ان تحریکات میں میری عدم شرکت کی منجملہ اور وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی ہے، یعنی مسلمانوں کی حالت سے کچھ امید نہ ہونا۔۔۔۔ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر حضرت مولانا گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ چاہے جس قدر کوشش اور سعی و جدوجہد کرو مگر اب تو ظلمت اور فساد ہی عالم میں بڑھے گا۔ ہاں کوشش کرو ثواب ملے گا۔(ملفوظات حکیم الامت: ۸/ ۳۳۹، ۳۴۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ط: ۱۴۲۸ھ)

۱۲- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی طرف سے جو مبلغین بیرونجات میں تبلیغ کا کام کر رہے ہیں ان کے وعظ اور نصائح کا لوگوں پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اور لوگوں کو بہت بڑا نفع دین کا پہنچ رہا ہے۔ لوگ بھی ان کے ساتھ محبت اور مدارات سے پیش آتے ہیں اور کسی کو ذرا وحشت نہیں ہوتی، مگر لوگوں پر یہ امر بڑا شاق ہوتا ہے وہ کسی کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ فرمایا کہ یہ جو اتنی خاطر مدارات ہے اور وحشت نہیں ہوتی یہ سب اسی کی برکت ہے وہ کسی سے کچھ لیتے یا

کھاتے نہیں۔ اگر نہیں لیتے یا کھاتے تو یہ خاطر مدارات پھر نہ ہوتی۔ اب تو شاق ہی گزرتا ہے مگر کھانے کے بعد شاخ میں نکلتی - ایک مرتبہ فلاں مبلغ صاحب کچھ روپے مدرسہ کے واسطے لائے ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ روپیہ کہاں سے اور کیوں لائے؟ انہوں نے کہا کہ لوگوں نے اصرار کر کے مدسہ کے واسطے دیا ہے مجبوراً لے لینا پڑا۔ میں نے ان سے کہا کہ اس روپیہ کو واپس کرو اور ان سے کہدو کہ وہ خود آکر مدرسہ میں دیں۔ مبلغ نے کہا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم کاروباری لوگ ہیں ہم کو فرصت نہیں ہوتی۔ میں کہا کہ ان سے کہو کہ وہ منی آرڈر کر دیا کریں۔ انہوں نے کہا فیس منی آرڈر کا بار ہوگا۔ میں نے کہا کہ جو رقم مدرسہ چاہیں اسی میں سے فیس منی آرڈر وضع کر لیا کریں۔ اگر کوئی شخص کام کرنا چاہئے اس کے سینکڑوں راستے نکل آتے ہیں۔ میں نے مبلغین سے کہدیا ہے کہ آپ لوگ مدسہ کے لئے چندہ جمع کرنے کو نہیں رکھے گئے۔ تمہارا کام صرف لوگوں کو ہدایت کرنا اور مسائل دینیہ بتانا ہے۔ مدرسہ جدا چیز ہے اور تبلغ کا کام جدا ہے۔ فرمایا کہ وعظ کا اثر اور مبلغ کی وقعت اسی کی برکت سے ہے کسی سے لینے کھانے کا معاملہ نہیں رکھا گیا۔ آج کل مبلغین کو اس کی بڑی ضرورت ہے کہ وہ ان امور کی احتیاط رکھیں ورنہ وعظ میں جو تین چار گھنٹے دماغ صرف ہوتا ہے اور محنت ہوتی ہے سب بے کار جائے گا مقصود حاصل نہ ہوگا -(ملفوظات حکیم الامت : ۵/۸۶، ۸۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ ،ملتان ، ط:۱۴۲۹ھ) اس سے معلوم ہوا کہ داعی اور مبلغ کو چندہ اکٹھا کرنے کا کام نہیں کرنا چاہیے ورنہ اس کی دعوت کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔

۳/۱۱/۱۴۴۵ھ

۱۲/۵/۲۰۲۴ء